نئے الفیہ میں کلام اقبال کی معنویت

قرآنی تعلیمات

کلام اقبال کے آئینہ میں

از

پروفیسر محمد صبغتہ اللہ

صدر شعبۂ اردو
گورنمنٹ آرٹس کالج
بنگلور۔۱

نئے الفیہ میں کلام اقبال کی معنویت

قرآنی تعلیمات کلام اقبال کے آئینہ میں

پس منظر :-

ڈاکٹر اقبال ایک دین دار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ والد شیخ نور محمد نہایت متقی پرہیزگار اور صوفی منش تھے۔ اپنی اولاد کے لیے دینی تعلیم کو ترجیح دیتے تھے۔ سیالکوٹ اور اطراف و اکناف کے علما و فضلا سے ان کے ذاتی مراسم تھے۔ ان کے حلقہ میں اکثر شریعت و طریقت، تقوی و تصوف و مذہبی امور پر گفتگو ہوتی تھی۔ محلہ شو ال کی مسجد میں مولانا غلام حسن درس دیا کرتے تھے۔ چار سال چار ماہ کی عمر کو پہنچتے ہی اقبال کو ان کے والد نے اسی مسجد میں بغرض تعلیم غلام حسن کے سپرد کیا۔ ابتدائی و بنیادی تعلیم کی ابتداء اسی مسجد میں قرآن پاک سے ہوئی۔ ایک سال تک اقبال کو اسی مسجد میں مولانا قرآن کا درس دیتے رہے جو اقبال کے پہلے استاد تھے۔

ایک دن مولانا سید میر حسن اس درس گاہ میں آئے۔ اقبال کی کشادہ پیشانی اور متین صورت دیکھ کر متاثر ہوئے۔ اقبال کے متعلق معلومات فراہم کیں۔ ان کے والد کے پاس گئے اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علم کا سیکھنا بھی لازم ہے۔ آپ کے اصرار پر ان کے والد اقبال کو جدید تعلیم دلانے پر آمادہ ہوئے۔ کوچہ میر حسام الدین میں سید میر حسن کے یہاں مکتب میں اردو، فارسی عربی ادب پڑھنا شروع کر دیا۔ استاد نے اپنی خصوصی توجہ سے ان کی تعلیم پر توجہ دی کیونکہ اقبال ذہین اور ہونہار تھے۔ استاد میر حسن کا اسی دوران سکاچ مشن سکول میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا تو آپ نے ان کے والد کی رضا مندی سے اقبال کا داخلہ اپنے سکول میں کر دیا۔ آپ مسلمانوں میں جدید تعلیم کے فروغ کے زبردست حامی تھے۔ اقبال کو حصول علم کا کافی شوق تھا اس لئے انہوں نے نہ صرف سکول میں

بلکہ میر حسن کی قیام گاہ پر بھی علمی استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا نئی طرز کے خواہاں تھے۔ سرسید کو 1837 سے جانتے تھے۔ مسلم ایجوکیشن کے اجلاس میں باقاعدہ شریک ہوتے۔ مولانا سید میر حسن اردو اور فارسی اور عربی کے جید عالم تھے۔ اسلامیات پر کامل عبور رکھنے کے باوجود خشک ملا نہ تھے۔ سرسید کے مداحوں میں سے تھے، راسخ العقیدہ ہونے کے باوجود ان کی وسعت مشرب سے غیر مسلم طلبا و بلکہ مشنریوں کے پادری اساتذہ بھی متاثر تھے۔ اس دوران اقبال نے اردو اور فارسی اساتذہ کا کلام کثرت سے مطالعہ کیا اور مولانا میر حسن کا تبحر علمی اور ان کے اخلاق کچھ اس انداز کے تھے کہ اقبال آخر عمر تک ان کے علم و اخلاق میں اسوۂ حسنہ اور اپنا محسن گردانتے تھے۔ اور یہی ہستی اقبال میں شعر کا صحیح ذوق پیدا کرنے میں معاون ہوئی۔"[1]

1884ء میں سرسید نے پنجاب کا دورہ کیا۔ علوم جدیدہ اور مسلمانوں کی اس کے حصول کی افادیت و اہمیت پر بصیرت افروز تقریریں کیں۔ سرسید کے نزدیک پنجاب میں جو شخصیتیں لائق احترام اور معتبر تھیں ان میں اقبال کے استاد سید میر حسن بھی شامل تھے۔ لاہور میں جب 1898ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ ہوا تو آپ نے بھی شرکت کی۔ ابتدائی زندگی میں اقبال پر سید میر حسن کی شخصیت کافی اثر انداز ہوئی۔ سید میر حسن بے پناہ فراخی علم کے حامل تھے۔ انہیں علوم اسلامی، ادب، زبان و تصوف کا خاصا ادراک تھا۔ علوم جدیدہ، ادبیات، لسانیات اور ریاضیات پر بھی اچھی مہارت تھی۔ درس و تدریس کا طریقہ نہایت موثر تھا جو شاگردوں کے ذہن و فکر پر دیرپا نقش مرتب کرتا تھا۔ ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا جو تدریسی مصروفیات کے باوجود مسلسل و متواتر جاری رہتا تھا۔ میر حسن عبادت گزار، صوفی منش اور حافظ قرآن تھے۔ سادگی، سنجیدگی، قناعت، استغنا، وضع داری، خوش طبعی اور احسان مندی ان کی عظمت اور مزاج کی شناخت تھی۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے لکھا ہے "سید میر حسن نے اقبال کو عربی فارسی اور اردو ادبیات، علم و حکمت اور تصوف وغیرہ کی تعلیم دے کر علوم قدیمہ اور اسلامیہ کے لیے ان کے دل میں بے پناہ تشنگی پیدا کر دی تھی۔ اقبال کی اپنی طبیعت کی سادگی، قناعت، استغنا، ظرافت اور نکتہ سنجی سب سید میر حسن کے مزاج کا عکس تھیں۔ جب تک وہ زندہ رہے اقبال ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے علمی مسائل میں ان سے ہدایت و رہبری لیتے رہتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اقبال ان کا بے حد احترام کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے روبرو کبھی شعر سنانے کی جرأت نہ ہوئی۔"[2]

سید میر حسن کے ذریعہ اقبال کو علی گڑھ تحریک اور سرسید کے مشن اور عظمت کا احساس ہوا۔ 1932ء میں اقبال کو "سر" کے خطاب کی پیشکش ہوئی تو انہوں نے گورنر پنجاب سے کہا کہ جب تک ان کے استاد سید میر حسن کی علمی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے گا وہ یہ خطاب قبول نہیں کریں گے۔ گورنر نے پوچھا کہ ان کی تصانیف بھی ہیں؟ اقبال نے جواب دیا میں خود ان کی تصنیف ہوں۔ چنانچہ اقبال کے خطاب کے موقع پر سید میر حسن کو "شمس العلماء" کا خطاب ملا۔ استاد کی وفات پر اقبال نے مادہ تاریخ نکالا "ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین"۔ ایک جگہ اپنے جذبے کا اظہار یوں کیا

[1] فکر اقبال ۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ص ۱۶ [2] زندہ رود (جلد اول) ڈاکٹر جاوید اقبال ص ۶۱

ہے علم

مجھے اقبال اس سید کے گھر سے فیض پہنچا ہے
پلے جو اس کے دامن میں وہی کچھ بن کے نکلے ہیں۔

گورنمنٹ کالج اور اورینٹل کالج میں دوران تعلیم اقبال نے مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا محمد حسین آزاد اور مولوی محمد دین جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا اقبال کی شاعری کا آغاز ان کی مادری زبان پنجابی سے ہوا لیکن بعد میں سید میر حسن کے مشورہ سے اردو میں شعر کہنے لگے۔

اقبال کی شاعری

1893 تا 1899 اقبال نے دوران طالب علمی روایتی انداز میں غزلیں کہیں جن میں داغ کا رنگ نمایاں ہے۔ "اس ابتدائی دور میں اقبال کے لب و لہجہ کی توانائی، گہرائی و گیرائی ان کی عظمت کا پتہ دیتی ہے۔" لیکن اس دور مشق و تقلید میں بھی اقبال کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں جس کا کمال آفتاب بہت جلد افق سے ابھرنے والا تھا۔ اس دور کی شاعری کو اقبال کی شاعری کی صبح کاذب کہا جاتا ہے جس کی روشنی طلوع آفتاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ غزل کے روایتی مضامین میں سرزدہ حکمت و فلسفہ کی کرنیں دکھائی دیتی ہیں۔" لہ

باقاعدہ طور پر 1901 تا 1905ء اقبال کی شاعری کا پہلا دور تصور کیا جاتا ہے۔ 1905ء تا 1908ء اقبال کی شاعری نے ایک نیا موڑ اختیار کیا جس نے اردو شاعری کو ایک نئی جہت عطا کی۔ یہ دوسرا دور ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جو انہوں نے یورپ میں گزارا۔ اس دور میں انہوں نے شاعری کا مصمم ارادہ کر لیا۔ کیونکہ جو وقت شاعری میں صرف ہوتا تھا اسے کسی مفید کام میں صرف کرنا چاہتے تھے۔ آرنلڈ صاحب سے جب اس بارے میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ "اقبال کے لئے شاعری کو چھوڑنا جائز نہیں، اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لئے بھی مفید ہے اور ان کے ملک و قوم کے لئے بھی مفید ہے۔" اس مشورہ کے بعد شاعر کی طبیعت میں جو تغیر آیا تھا اس کا خاتمہ ہوا۔ لیکن دوسرا تغیر یہ کہ اقبال نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا اظہار خیال کا ذریعہ بنایا یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو 1908ء کے بعد شروع ہوا۔ اس عرصہ میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں جن کی دھوم مچ گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ تھے ان کی فارسی مثنوی "اسرار خودی" تھی اس باعث اقبال کا نام ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا

فارسی میں اقبال نے "اسرار خودی" "رموز بے خودی" "پیام مشرق" اور "جاوید نامہ" لکھیں۔ فارسی زبان نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا میں اقبال کا کلام اس زبان کے ذریعہ پہنچ گیا اس میں ایسے خیالات تھے جن کی وسیع اشاعت ضروری تھی۔ اسی وسیلے سے یورپ اور امریکہ والوں نے اقبال کا حال معلوم کیا۔ اقبال کو "ترجمان حقیقت" کے لقب سے یاد کیا گیا۔ ان کتابوں کے خاص خاص اشعار یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں۔ فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا کہ جو نظمیں اردو میں دور

لہ فکر اقبال۔ خلیفہ عبدالحکیم ص ۲۰

سوم میں لکھی گئیں ان میں اکثر فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے سے زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تضمین کی گئی ہے گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشہب قلم جو فارسی کے میدان میں گامزن ہے اس کی باگ کسی قدر تکلف کے ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال اور قرآن حکیم۔

اقبال کی نشو و نما ایسے ماحول میں ہوئی جہاں ان کا شعور پہلی بار مذہب سے ہم آہنگ ہوا جس کے اثرات ان کی زندگی پر نمایاں ہیں۔ اقبال کے والد مرحوم حضرت قاضی سلطان العارفین محمود دربار آوان شریف کے مریدوں میں تھے جن کا تعلق سلسلۂ قادریہ سے تھا۔ اسی بنیاد پر علامہ بھی اوائل عمر سے ہی سلسلۂ قادریہ سے منسلک کئے گئے۔ اپنے گھر کے اس صوفیانہ ماحول کا اظہار اقبال نے اپنے فرزند جاوید اقبال کو مخاطب کر کے یوں کیا ہے ؏

جس گھر کا چراغ ہے تو ہے اس کا مذاق عارفانہ

اقبال کی تربیت خالص مذہبی اور اخلاقی اصولوں پر ہوئی تھی اسی باعث انہوں نے خود بیان کیا ہے کہ جب وہ سیالکوٹ میں زیر تعلیم تھے تو روزانہ صبح اٹھ کر تلاوت قرآن مجید کیا کرتے تھے اور ان کے والد اپنے وظائف سے فارغ ہو کر آتے اور دیکھ کر گذر جاتے ایک دن صبح سویرے اقبال کے قریب سے گذرے تو فرمایا "جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ قرآن تم پر ہی اتر رہا ہے یعنی اللہ خود تم سے ہم کلام ہے"۔ [1] اقبال نے اپنے ایک شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہیں نہ رازی نہ صاحب کشاف

اقبال کو قرآن پاک سے بے حد عشق تھا۔ وہ تلاوت قرآن نہایت انہماک اور تدبر اور تفکر سے کرتے تھے ان کی مذہبی زندگی کا اندازہ ان کے عادات و خصائل کے پس منظر میں لگایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں "انکو بچپن ہی سے صوم و صلوٰۃ کا پابند رہنے اور ہر صبح خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔ ذرا بڑے ہوئے تھے تو والدہ کی تقلید میں تہجد پڑھنے کی عادت پڑ گئی اور شب کے آخری حصہ میں بیدار رہنے کے سبب رات کا کھانا چھوٹ گیا جب لاہور تشریف لائے تو شب بیداری کی عادت قائم رہی۔ عموماً صبح کی نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے اور نماز کے بعد خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے۔ مدتوں تک شب بیداری کے باعث شب کا کھانا نہ کھانے کے سبب انھیں رات کو بھوک ہی نہ لگتی تھی۔ صرف کشمیری چائے کی ایک آدھ پیالی پیا کرتے تھے"[2]

اقبال کا مذہبی تصور

علامہ اقبال بنیادی طور پر مذہب اسلام کو دین کامل تصور کرتے۔ اسلامی تعلیمات

[1] زندہ رود (جلد اول) از ڈاکٹر جاوید اقبال صفحہ ۲۵ [2] زندہ رود (جلد ۲) صفحہ ۱۴۲

میں انسانی زندگی کی اہمیت کو واضح طور پر بتایا گیا ہے۔ تکمیل خودی کی رہنمائی کی گئی ہے اخوت و مساوات کا جو درس اسلام میں ملتا ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں ملتا۔ اقبال سچے موحد ہیں۔ عقیدہ توحید میں کسی کا اشتراک کفر تصور کرتے تھے۔ اسلام کو ایک پیغام حیات قرار دیتے تھے اسلامی نقطۂ نظر سے وہ زندگی کے لئے جمود اور تعطل مضر تصور کرتے تھے بلکہ ارتقائے حیات کے لئے "حرکت" کو نہایت ضروری سمجھتے تھے اسلام کے اصول وقوانین آفاقی ہیں جس میں رنگ و نسل کی تفریق فرقہ و طبقہ کا امتیاز نہیں۔ اسلام کے نظام فکر و فلسفہ میں رسوم اوہام کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے۔

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط وحدت آدم

اقبال کے مذہبی عقائد میں تقلید کا نہیں بلکہ اجتہاد کا انعکاس ملتا ہے۔ ان کے حکیمانہ افکار کی روشنی میں اسلام "مابعد" کے ثبات کے عرفان اور اس کے مطابق زندگی کے رجحان اور میلان کا نام ہے۔ اقبال نے اپنے خطبۂ ہفتم میں مذہب کے متعلق کہا ہے — "مذہب تین منازل سے گزرتا ہے۔ شروع میں بے چوں و چرا ایک ضابطۂ عمل کو قبول کرنا۔ مزید ترقی کے بعد اس کے احکام و ضوابط کو حکیمانہ انداز میں سمجھنے کی کوشش کرنا اور آخری منزل یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے اندر حقائق دیرینہ کا براہ راست ادراک کرے اور وہ حقیقت مطلقہ سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کرے۔ ان منازل کو شریعت، حکمت اور تصوف کہہ سکتے ہیں۔ [1]

صحیح بخاری اور مسلم کی ایک متفق علیہ روایت جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے نہایت جامع و مانع لفظوں میں فرق مراتب کو واضح کر دیا ہے۔ یہ حدیث تین مرتبوں کا ذکر کرتی ہے۔ اسلام، ایمان اور احسان۔ اسلام یہ ہے کہ اسلامی عقیدے کا اظہار کرنا اور عمل کے چاروں رکن نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ انجام دینا۔ ایمان یہ ہے کہ اقرار کے مرتبے سے آگے بڑھنا اور اسلام کے بنیادی عقائد کے حق الیقین کا مرتبہ حاصل کرنا احسان یہ ہے کہ "تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا اسے اپنے سامنے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

عرفان حقیقت کے لحاظ سے تین مرتبے ہوئے۔ پہلا اسلامی دائرے کے عام اعتقاد و عمل کا ہے یہ ہے اسلام یعنی جس نے اسلامی عقیدے کا اقرار کر لیا اور اس کے اعمال کی زندگی اختیار کر لی وہ اس دائرے میں آ گیا۔ لیکن صرف داخل ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ علم و یقین کے جو مقامات ہیں وہ حاصل ہو گئے۔ سب اب دوسرا مرتبہ نمایاں ہوا جسے ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلام ظاہر کا اقرار و عمل تھا۔ ایمان دل و دماغ کا یقین اذعان ہے یہ مرتبہ جس نے حاصل کر لیا وہ عوام سے نکل کر خواص میں داخل ہو گیا۔ پھر عرفان حقیقت اور عین الیقین الیقان کا مرتبہ باقی رہ جاتا ہے۔ اسے احسان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ذاتی تجربے کا مقام ہے جو یہاں تک پہنچتا ہے وہ اپنے ذاتی تجربے و کشف سے یہ درجہ حاصل کرتا ہے۔ تعلیمی و اخلاقی عقائد کو اس میں دخل نہیں۔ بحث و نظر کی اس میں گنجائش نہیں یہ خود کرنے اور پانے کا معاملہ ہے۔ بتلانے اور

[1] فکر اقبال از خلیفہ عبدالحکیم ص۳۵۵

سمجھانے کا معاملہ نہیں جو یہاں تک پہنچ گیا وہ اگر بتلانے گا بھی تو یہی کہ میری طرح بن جاؤ پھر جو کچھ دکھائی دیتا ہے دیکھ لو۔ اس طرح اسلام نے طلب و جستجو کی ہر پیاس کے لئے درجہ بدرجہ سیرابی کا سامان کر دیا۔ عوام کے لئے پہلا مرتبہ کافی ہے۔ خواص کے لئے دوسرا مرتبہ ضروری ہے اور اخص الخواص کی پیاس تیسرے جام سے تسکین پانے والی نہیں۔ تصور الٰہی کا اور عقیدے کا ایک ہی خانہ ہے۔ لیکن جام الگ الگ ہو گئے۔ ہر طلب کے حصے میں اس کے ظرف کے مطابق ایک ایک جام آ جاتا ہے اور سرشاری کی کیفیتیں مہیا کر دیتا ہے جو افراد احسان تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں وہ حقیقت کو اس کے پس پردہ جلوہ طرازیوں میں دیکھ لیتے ہیں اور عرفان کا وہ منتہی مرتبہ جو فکر انسانی کے دسترس میں ہے انہیں حاصل ہو جاتا ہے۔ ؎

اقبال نے اسلام کے اخلاقی و روحانی عوامل کو عالم گیر یا کائناتی قرار دیا ہے جس طرح علم ریاضی کی صداقت کائنات کے ہر شعبہ میں غالب ہے اسی طرح اسلامی قوانین و ضوابط کو اقبال نے اٹل قرار دیا ہے۔ اسلام کے کائناتی اور آفاقی تصور کو اقبال نے قرآن مجید کی آیتوں سے حاصل کیا ہے ان کے ذہن و دل پر عالم گیر دین اسلام کلی طور پر اثر انداز رہا اسی باعث ان کے کلام میں کثرت کے ساتھ اسلامی عقائد کے اظہار و ابلاغ کے متعلق اشعار ملتے ہیں۔ شریعت اسلامی کی شمع روشنی کی ضیا ء سے اقبال کی بصیرت اس درجہ قوی اور منور ہو گئی کہ بصیرت عصری کی نئی برقی روشنیوں سے خیرہ نہ ہو سکی ان کی فکر و نظر میں ایسی بلندی اور وسعت پیدا ہو گئی کہ کائنات کے اسرار و رموز ان پر منکشف ہونے لگے۔ اقبال نے اسلامی نظریات و افکار کی تفہیم کے لئے قرآن مجید کو مشعل راہ بنایا وہ اسلامی ضابطۂ حیات کے دلدادہ تھے اور مذہب کا ایک جیتا جاگتا تصور رکھتے تھے۔ زندگی کے جملہ مسائل کو حل کرنے کے لئے اسلامی اصولوں کی رہنمائی ضروری سمجھتے تھے۔ اس دور کا مبلغ جس دین کی تعلیم دے رہا ہے وہ حضور اکرم صلعم کا دین نہیں۔ آپ نے تو اس امر کی تعلیم دی تھی کہ اپنی زندگی کو مکمل طور پر اسلام اسلام کے رنگ میں رنگ لو" ادخلو فی الدین کافۃ"

اقبال نے ذہنی و مذہبی اعتبار سے ملت اسلامی کو ایک اجتماعی وحدت گردانا ہے اور اسی سے اسلامی قومیت کی نشاندہی کی اور بنیاد بنایا۔ انہوں نے اپنی شاعری میں کثرت کے ساتھ اسلامی اصول و نظریات کی تعریف و تشریح کی ہے۔ مثلاً مومن کی شان کیا ہے اسے یوں بیان کیا ہے ؏

ہر لحظہ مومن کی نئی شان نئی آن — گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و جباری و قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
تقدیر کے پابند جمادات' نباتات — مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند
کافر کی یہ پہچان ہے کہ آفاق میں گم ہے — مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

اقبال کے نزدیک اسلام تمام دنیا کے ادیان میں سب سے بہتر اور عظیم ہے۔ انسانی فلاح و بہبود کے لئے اس سے اچھا تصور کسی اور مذہب میں نہیں ملتا۔ اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات کو کائناتی اور بہ نگیر تسلیم کیا گیا ہے۔ اقبال نے وسعت مطالعہ کی بنیاد پر دنیا کے علوم

؎ ترجمان القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۳۲ ۔ ۳۳۳

کی روشنی میں کائناتی مسائل کا واحد حل اسلام ہی کو دین میں پایا اسی لئے ان پر اسلام کے سارے رموز افشا ہوئے اور اسی انکشاف حقیقت نے انہیں اسلام اور قرآن کا گرویدہ بنایا۔ اسی والہانہ عشق اور گرویدگی نے جب ارتقائی منازل طے کیں تو انہوں نے اسلام کی تبلیغ اور ترسیل کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا وہ ہمیشہ علوم اسلامی کا احیاء چاہتے تھے۔ بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کو سعادت تصور کرتے۔ اکثر تلمیں بزرگان دین سے متعلق ملتی ہیں۔ اقبال کے صوفیانہ رجحانات بھی ان کی فکر کے غماز ہیں۔ ان کے صوفیانہ خیالات کا عکس ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں ملتا ہے اور ان کی تحریروں میں اس کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن مجید اور پیغمبر اسلام سے والہانہ عشق نے انھیں اس منزل پر لا کھڑا کیا جہاں سے ان کے اندر ایک "مردِ کامل" نمودار ہوتا ہے جسے اصل مومن کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کا یہ عشق جو اسلام اور رسول خدا ﷺ کے ساتھ تھا اسی بنیاد پر ہم دیکھتے ہیں کہ ان شاعری میں سوز و گداز، جوش و ولولہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کی شاعری بڑی ہمہ گیر ہے۔ مجموعی طور پر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہر موضوعات پر مذہبی و ملی رنگ ہر طرح سے غالب نظر آتا ہے۔ اقبال کے ہاں اسماء و اعلام کثرت سے ملتے ہیں۔ مختلف حیثیتوں سے ان کا تذکرہ ہوا ہے اور یہ تذکرے کسی ایک خاص دور سے مخصوص نہیں بلکہ ہر دور میں ان کی مثالیں ملتی ہیں۔ ایسی حلال و حرام کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو کہیں جلال و جبروت کی طرف اشارہ ہے تو کہیں رحم و عفو کے حکمت بیان کئے گئے ہیں۔ آیات قرآنی، احادیث نبوی کا بھی عقیدتمندانہ اظہار ملتا ہے۔[1]

غرض یہ کہ علامہ کی شاعری میں کافی وسعت، گہرائی اور گیرائی ملتی ہے ان کی شاعری بڑی ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہے۔ اقبال کے مذہبی فکر کا ارتقاء کے ذیل میں قرآن حدیث وغیرہ کے موضوع کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی جائے گی۔

قرآن مجید مجسم سچائی ہے حقیقت الہیہ کا مظہر ہے کائنات کی غرض و غایت کا ترجمان قرآن ایسا قانون الہی ہے جس میں تذبذب اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں حق تعالی کی وحدانیت کا اعلان ہے قرآن مسلمانوں کے لئے ایسا رہنما اور ہادی ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر شعبہ پر ہوتا ہے۔ اس صحیفہ میں انسانی زندگی کے لئے مکمل خاکہ موجود ہے حیات انسانی کی رہبری اور ناقابل تغیر اقدار عطا کیں حق و باطل کے واضح امتیازات ہیں اس نے اپنے آپ کو الفرقان کہا ہے۔ باطل کے متعلق قرآن کا تصور یہ ہے کہ یہ وجود مطلق کے سراسر انکار کا نام ہے آیت مبارکہ ہے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ترجمہ حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا تحقیق کہ باطل اس لئے تھا کہ نابود ہو کر رہے (۱۷-۸۱)

قرآن انسانی ارتقاء اور نشو و نما کا ضامن ہے اس میں ثبات و حیات کے رموز پوشیدہ ہیں یہ کسی فرقہ، قوم یا جماعت کے لئے نہیں بلکہ سارے عالم انسانیت کے لئے ضابطہ حیات ہے اس میں مذہب کے علاوہ تمدن، معاشرت، سیاست، اقتصادیات، اخلاقیات معاشیات کے جملہ نکات کا درس ملتا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اقبال کو اوائل عمری سے قرآن مجید سے بہت شغف تھا قرآن پڑھتے وقت ان پر روحانیت

[1] اقبال کے ابتدائی افکار ڈاکٹر عبد الحق ص۱۰۸

کا غلبہ اس قدر ہو جاتا کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکلنے لگتے۔

محمد اقبال سلمانی نے ڈاکٹر صاحب کی تلاوت قرآنی کے متعلق ایک نہایت موثر واقعہ بیان کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی کتابیں اسلامیہ کالج لاہور کی لائبریری کو دے دی گئیں۔ ان ہی کتابوں میں ڈاکٹر صاحب کی تلاوت کا خاص قرآن از روئے وصیت ان کے لخت جگر جاوید کو ملا۔ اس مصحف کے متعلق ڈاکٹر صاحب کے خاص خاص احباب کا بیان ہے کہ وہ بلا ناغہ صبح کے وقت اس کی تلاوت ایسے ذوق و شوق، ایسے درد و محبت اور ایسے سوز و گداز سے کیا کرتے تھے آنسوؤں کا تار بندھ جاتا۔ روتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ کتاب عزیز کے ورق بھیگ جاتے۔ جب تلاوت ختم ہو جاتی تو اسے اٹھا کر دھوپ میں رکھ دیتے تاکہ صفحے خشک ہو جائیں۔ مدت العمر تک ان کا یہی دستور رہا حتی کہ زندگی کے آخری دنوں میں جب بیماری کا تسلط بڑھ گیا اور گلا خراب ہو گیا تو ڈاکٹروں کے روکنے پر آپ کا یہ طریق تلاوت بھی چھوٹ گیا۔"[1]

اقبال کی شاعری میں قرآن مجید سے والہانہ عشق نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ جذب و وجدان، شگفتگی، اثر آفرینی، سوز و گداز ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور ایسے مذہب اسلام، قرآن مجید، عشق رسول سے والہانہ لگاؤ کا ہی رد عمل کہا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید اور عشق رسول ہی اقبال کے فکری سرچشمے ہیں اسی پر اقبال نے اپنے فن اور فلسفہ کی بنیاد رکھی کہ گویا قرآن حکیم کی سب سے زیادہ محترم اور معتبر تفسیر ہے

اقبال نے زندگی کے تمام شعبوں میں قرآن کو رہنما بنایا اور اسی کی تبلیغ کی چونکہ قرآن سے زیادہ مستند، محترم اور معتبر ضابطہ حیات اور کہیں نہیں ملتا اقبال نے اپنی شاعری کے موضوع کو قرآن مجید کی روشنی میں نظم کیا۔ کوئی بھی مصرع قرآن کے پیغام سے جدا نہیں ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اقبال کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی تصورات کا ماخذ قرآن حکیم ہی ہے۔ آپکی فکر اسلامی فکر یا قرآنی فکر ہے۔

اقبال کا میلان تصوف آبائی و فطری تھا۔ علم فلسفہ نے ایسے دو آتشہ بنا دیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے تاریخ اور فلسفۂ اسلام کے مطالعہ بنیاد پر نظریۂ وحدت الوجود کی تردید کی جس کے باعث ان کے ذہن و دماغ کو شدید شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑا۔ اقبال نے اس نظریہ کی مخالفت یا تردید تو اس کی بنیادی وجہ تھی کہ اس سے قرآنی تعلیمات کی روح مجروح ہوتی تھی وہ قرآنی تعلیمات کو تاویلات فاسدہ سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پازند

اقبال چاہتے تھے کہ خالص قرآنی تصورات اختیار کریں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں ایسے عملی صورت دیں۔ اس سے اسلامی فلسفہ و تہذیب کو فروغ حاصل

[1] البیان دسمبر ۱۹۶۹ صفحہ ۷۶ بحوالہ اقبال کامل صفحہ ۷۶

ہوگا اور عالم انسانیت کو سامراجیت و انتشار کیت کے درمیان ایک ایسی شاہراہ اعتدال مل جائے گی جس پر چل کر وہ تمام مفاسد اور مکروہات سے نجات حاصل کر سکے گی جس میں آج مبتلا ہیں۔ قرآن مجید سے انہوں نے کس قدر اور کس حد تک شغف و محبت رکھی اس کا اندازہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے

"مغربی تعلیم و تہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا مسلمان تھا اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان ہوگیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا یہاں تک کہ اس کی تہہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود نہیں رہا۔ وہ جو کچھ سوچتا تھا قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا وہ جو کچھ دیکھتا تھا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔" [1]

غرض یہ کہ اقبال کے ذہن و دماغ پر قرآن کے اثرات غالب تھے۔ ان کے تفکرات کو اس سے تابندگی ملی جس کی وجہ سے ان کی فکر و فلسفہ میں وسعت اور ہمہ گیری کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ اقبال نے زندگی کے ہر حصہ میں قرآن مجید کو اپنا رہنما تسلیم کیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ توحید کے ذریعہ انسانی عقل و دانش اپنے نقطۂ عروج پر پہنچتی ہے اور انسان کو حکمت، دین اور قوت سب کچھ حاصل ہوتی ہے۔ اسی عقیدہ کی روشنی سے کائنات کے رموز کو سمجھا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کا دارومدار اسی عقیدہ پر ہے۔ قرآن مجید نے عقیدہ توحید کا پرزور انداز میں اعلان کیا ہے جو اب تک کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ توحید کے اسی اعلان نے اقبال کے حسی عناصر کو جھنجھوڑ دیا۔ جس سے ان کے مذہبی فہم و ادراک میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں توحید کے معیار و میزان کو جس طرح پیش کیا گیا ہے اقبال نے اپنے لفظوں میں یوں کہا

"قرآن سے پہلے کسی ارضی و سماوی کتاب نے انسان کو اس بلند مقام پر نہیں پہنچایا جس کی قرآن نے اطلاع دی۔ یہ لفظ تم قرآن کے سوا کہیں نہ دیکھو گے۔ وسخر لکم ما فی السمٰوٰت والارض آج تک تم جن ارضی سماوی مہیب یا مفید ہستیوں کو اپنا معبود سمجھتے رہے ہو وہ سب اور تمام دیگر کائنات تمہاری خدمت کے لئے خلق کئے گئے ہیں۔ توحید کا یہ مرتبۂ اعلیٰ ما سوا سے بے پروا کر دینے والا یہ انسانی خودی کا یہ حقیقی عرفان قرآن سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا۔" [2]

اقبال کے نزدیک قرآن مجید ہدایت انسانی کے لئے آخری صحیفہ ہے۔ اس کا مطالعہ خشوع و خضوع کے ساتھ کرنے والوں پر کائنات کے اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں اقبال کی شاعری میں اکثر "مرد مومن" کا ذکر ملتا ہے۔ اس مرد مومن کو قرآنی اصولوں کا پیکر کہا جاتا ہے۔ قرآنی نظریہ کے انسان کامل یا مرد مومن کو حیات جاوداں نصیب ہوتی ہے اس کا ہر عمل دائمی ہوتا ہے۔ اسی مرد مومن کے لئے

[1] اقبال کامل عبدالسلام ندوی معارف اعظم گڑھ ۱۹۶۴ء ص ۶۱
[2] اقبال کے ابتدائی افکار ڈاکٹر عبدالحق ۱۹۶۹ء ص ۱۳

اقبال نے کہا ہے عہ

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیمؑ و خلیلؑ

قرآن مجید حیات و کائنات اور احکام شریعت کے لیے ایسا مکمل اور جامع آئین ہے جس میں کسی قسم کی تشکیک کی گنجائش نہیں۔ قرآن ایک مقدس معتبر مستند محترم و مکمل احکام الٰہی کا دستور ہے جس میں شخصی کردار، کسب معاش، طہارت خوراک، طرز زندگی، لباس، صرف دولت، معاشرتی رسوم، ازدواجی زندگی، دولت کی تقسیم، سماجی تعلقات، حکومت کی تشکیل، شوریٰ کا طریقہ، صنعت و تجارت، صلح و جنگ کے معاملات غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ پر بحث ملتی ہے۔ اسی لئے اقبال قرآن کریم کو دین کی مکمل کتاب سمجھتے تھے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن   نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

مجموعی طور پر ان کی شاعری میں قرآنی اصولوں اور اقدار کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اسی کا ردعمل ہے کہ اقبال کی نگاہ میں انسان کا قد نہایت اونچا نظر آتا ہے۔ چونکہ قرآن مجید خود تکریم و احترام آدمیت کا سبق دیتا ہے۔ اسی لئے اقبال نے آدمیت کو اس مذہب قرار دیا ہے

چیست مذہب؟   احترام آدمیت!

احترام آدمیت کے پیش نظر اقبال کی شاعری میں اکثر وحدت آدم اور احترام آدم کا ذکر ملتا ہے اس لئے وہ رنگ و نسل کے پرحصار کو وحدت کی ضرب سے توڑنا چاہتے تھے۔ وحدت آدم کے موضوع پر ان کی شاعری میں اچھوتا اظہار ہوتا ہے۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی   آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلہ علم کلام

فلسفۂ خودی

خودی انسان کا فطری اور ازلی جذبہ ہے جس سے انسان اپنی مخفی قوت کو عشق الٰہی کے ذریعہ بیدار کرتا ہے۔ اس سے اصلاح انسانی کا کام لے سکتا ہے ان کا فلسفۂ خودی خالص قرآنی اور اسلامی نظریات سے ماخوذ ہے۔ حدود خودی کے تعین کو اقبال نے شریعت کا نام دیا ہے۔ اقبال کا فلسفۂ خودی قرآن مجید کے اس آیت سے ماخوذ ہے "قد افلح من زکّٰھا و قد خاب من دسّٰھا"۔
ترجمہ (کامیاب ہے وہ شخص جس نے نفس کو پاک کیا اور جس نے آلودہ کیا ناکام رہا) ظاہر ہوا کہ انسانیت کی بقا، کامیابی و کامرانی کا انحصار انسان کے تزکیۂ نفس اور اسکی ذاتی تطہیر ہی انسان کی خودی کا سرچشمہ ہے اقبال نے اسی احساس نفس اور عرفان ذات کو خودی کا نام دیا ہے۔ ان کے فلسفۂ خودی کا ماخذ یہ آیتہ مبارکہ ہے" یا ایھا الذین آمنو علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" ترجمہ (اے ایمان والو اپنے آپ کی حفاظت کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی گمراہ تم کو ہدایت پانے کے بعد نقصان پہنچائے)

اقبال نے فلسفۂ خودی کو تسخیرِ کائنات کا وسیلہ بنایا چونکہ فلسفۂ خودی نیابت خداوندی کے تصور کا واضح اظہار ہے ذات خداوندی لامتناہی بیکراں سرچشموں اور قوتوں کا مرکز ہے جس کے سامنے عالم کائنات کا ایک ایک ذرہ سربسجود ہے قرآن سے یہ صاف ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے شمس و قمر، شجر و حجر اور کائنات کی ساری چیزوں کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا ہ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں   یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں   تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

یہی تسخیر کائنات کا تخلیقی نقطۂ عروج تخلیق آدم ہے۔ اسی تخلیق آدم میں انسانی خودی مضمر ہے۔ خدا کی ساری قوتوں اور صلاحیتوں کو اسی میں ضم کر دیا قال یا آدم انبئهم باسمائهم۔ قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون ہ واذ قلنا للملئکۃ اسجدو لآدم فسجدوا الا ابلیس ط ابی واستکبر وکان من الکافرین ہ۔
ترجمہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم کو کہ فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتادو۔ آدم نے ان کے نام بتا دئے فرمایا کہ میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین میں چھپی ہوئی چیزوں کو خوب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو۔ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے شیطان کے سب سجدے میں گر پڑے۔ شیطان نے نہ مانا اور تکبر کیا اور انکار کرنے والوں میں سے تھا) درج بالا قرآنی آیات کے پس منظر میں اقبال نے تسخیر کائنات کا پیغام دیا ہے۔

فطرت کو خرد کے روبرو کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

قرآنی نصب العین آدم اسی خودی کا پیکر ہے جس میں احکامات الٰہی پوشیدہ ہیں خودی کی تلاش و جستجو اور اس کا حصول انسان کو کامرانیوں اور ترقیوں کے سب سے اعلیٰ و ارفع بلندیوں پر پہنچائے گا۔ "ساقی نامہ" میں انھوں نے خودی کی وضاحت یوں کی ہے۔

یہ موج نفس کیا ہے؟ تلوار ہے   خودی کیا ہے؟ تلوار کی دھار ہے
خودی کیا ہے؟ راز درون حیات   خودی کیا ہے؟ بیداریٔ کائنات
خودی جلوہ بدمست، خلوت پسند   سمندر ہے اک بوند پانی میں بند
خودی شیر مولیٰ، جہاں اس کا صید   زمین اس کی صید آسمان اس کی صید